© rasailojaraid.com

اختیار کرے اس بارہ میں آپ کا خیال یہ تھا کہ کلچر خواہ کہیں کا اور کسی ملک کا ہو وہ بہرحال کسی کی میراث اور جائداد نہیں ہوتا۔ اس کی ایجاد کسی نے کی ہو لیکن اگر اس میں کچھ خوبیاں ہیں اور وہ زمانہ کے تقاضہ کے مطابق ہے تو دنیا کی ہر قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اپنائے اور ایسا کرنے سے کسی قوم کی قومیت فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسری ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑی ہو کر اجنبی اور بے میل نظر نہیں آتی۔ چنانچہ آج ایرانی مصری شامی۔ عراقی چینی اور ترکی ہر جگہ کے لوگ کوٹ پتلون پہنتے ہیں لیکن پھر بھی ایرانی اور مصری وغیرہ ہی رہتے ہیں کچھ اور نہیں ہو جاتے۔

علاوہ بریں آپ فرماتے تھے کہ اٹھارہویں صدی سے قبل یورپ میں ہندوستان کی طرح ڈھیلے ڈھالے لباس پہنے جاتے تھے لیکن جب وہاں صنعت و حرفت کی ترقی کا دور شروع ہوا تو اس کی مناسبت سے زیادہ چست اور مستعد لباس پہنا جانے لگا جو آج ہر جگہ رائج ہے پس اگر ہندوستان کو بھی صنعتی ملک بننا ہے اور لازمی طور پر بننا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے پرانی وضع کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو خیرآباد کہے اور یورپ کا لباس پہنے حضرت مرحوم اور بھی بہت کچھ فرماتے تھے اور اس ذیل میں ڈاڑھی اور پردہ وغیرہ کے متعلق بھی اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے جو سوچنے والے دماغ کے لئے کچھ کم اہم نہیں ہیں لیکن اس مختصر مقالہ میں نہ ان کے بیان کرنے کی گنجائش ہے اور نہ مناسب ہے البتہ اپنی کتاب میں ان سب چیزوں پر نہایت مفصل گفتگو کروں گا۔ البتہ موقع کی مناسبت سے اس سلسلہ میں مولانا جو ایک اہم نکتہ بیان کرتے تھے اس کا ذکر ضروری ہے فرماتے تھے کہ "مغربی نیشنل ازم کا اختیار کرنا خاص مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اور بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بعد ہندو مسلمانوں کے تہذیبی تعصبات مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے سے دست و گریباں نہیں ہوں گے۔ ورنہ اگر ایسا نہیں ہوا تو آزادی کے بعد دونوں فرقوں میں تہذیبی جنگ شروع ہو جائیگی اور چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے ان کو شکست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماننی پڑے گی۔ ہندو کہیں گے کہ مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور کلچر اختیار کرنا چاہیئے۔ اسی وقت وہ صحیح معنی میں ہندوستانی ہو سکتے ہیں مسلمان کچھ اس کی مخالفت کرینگے لیکن آخر انھیں شکست ہوگی اور پھر وہ ہندو کلچر اور تہذیب کو اختیار کرکے احساس کمتری میں مبتلا ہو جائینگے جس سے ان کی خودی فنا ہو جائے گی۔ اس لئے دھوتی اور پاجامہ۔ چپل اور جوتہ کرتہ اور شیروانی کے نزاع کو حل کرنے کی بہتر صورت یہی ہے کہ دونوں کو ہی خیرآباد کہہ دیا جائے اور ترکی کی طرح اپنا قومی لباس بھی مغربی لباس بنالیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو اور مسلمان معاشرت اور لباس کے اعتبار سے ایک ہوں گے اور متحدہ قومیت کی وجہ سے انھیں ایک ہونا بھی چاہیئے اور اس کے باوجود ان کو یہ خیال نہیں ستائیگا کہ ہندوؤں نے تہذیبی اعتبار سے مسلمان کو فتح کرلیا اور اس پر اپنے کلچرل اقتدار کی گرفت کو سخت کر دیا ہے مولانا کا خیال تھا کہ مسلمان اسلامی آداب معاشرت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے مغربی کلچر کو بہ آسانی کسی قدر تراش خراش کے ساتھ اختیار کرسکتے ہیں۔ رومن کیریکٹر ان کا یہی خیال زبان کے رسم الخط کی نسبت تھا۔ فرماتے تھے کہ ہندو مسلمان کا جھگڑا بولی پر ہرگز نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں لیکن اصل نزاع رسم الخط کا ہے مسلمان ہندوستانی کو فارسی رسم الخط میں لکھنا چاہتے ہیں اور ہندو دیوناگری میں اس لئے اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آزادی ملنے سے قبل ہی رومن رسم الخط کو رواج دیا جائے ورنہ آزاد ہونے کے بعد اکثریت کی طاقت کے گھمنڈ میں ہندو رومن کیریکٹر کو بھی قبول نہیں کریں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ اردو رہے گی اور نہ اس کا رسم الخط۔

اب آپ مولانا کے ان ارشادات پر غور کیجئے اور جو کچھ ہو رہا ہے اُس کی روشنی میں سوچئے کہ آج یہ باتیں کس طرح حرف بحرف الہامی باتیں معلوم ہوتی ہیں اس کے باوجود مولانا کے ساتھ اپنوں نے اور پرایوں نے جو معاملہ کیا ہمیں اس پر ذرا حیرت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ جس ملک میں سیاسی لیڈر شپ کے لئے سب سے بڑی سند جیل جانا ہو اور جہاں پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر گلا پھاڑنا حریت کوشی و تدبر سیاسی کا سب سے بڑا ثبوت ہو وہاں مولانا اسے حقائق آگاہ و حق شناس مفکر کے لئے اور توقع ہی کس برتاؤ کی ہوسکتی تھی!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُردو ہی ہندوستان کی زبان ہو سکتی ہے

از

(جناب محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ)

"بہن حمیدہ سلطان سے اردو ادب کا کون طالب علم واقف نہیں ہے گھر کے لٹنے پر بھی اُردو کے مریضِ نیم جان کی سیوا کے لئے اپنے آباء واجداد کی راجدھانی دہلی میں پڑی ہوئی ہیں اور اس کے لئے وہ سب کچھ کر رہی ہیں جو موجودہ حالات میں شاید مرد بھی نہیں کر سکتے ابھی حال میں انھوں نے اُردو مجلس دلی لٹریری سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے اس انجمن کے صدر پنڈت دتاتریہ کیفی ہیں اور سکریٹری خود ہیں خوشی کی بات ہے کہ انجمن کو با اثر اور ممتاز ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے اس انجمن کے ہفتہ وار جلسے ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے ادبی موضوعات پر مقالے پڑھے جاتے ہیں مشاعرے بھی ہوتے ہیں محترمہ بہن نے یہ مقالہ اسی انجمن کے اجلاس مورخہ یکم اکتوبر ۴۹ء میں پڑھا تھا جو اب برہان میں شائع کیا جا رہا ہے اب اگرچہ زبان کی بحث بعد از وقت ہے تاہم اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے اور ایک حقیقت کو جب بھی کہا جائے وہ بہرحال حقیقت ہی رہتی ہے وقت کی بدلنے سے بدل نہیں جاتی!

(ایڈیٹر)

جس زمانے میں ہم سانس لے رہے ہیں اسی میں ایک تہذیب ٹوٹ رہی ہے اور ایک نئی دنیا جنم لے رہی ہے۔

لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ جو گذر رہا ہے اور جو آرہا ہے اُسے بجا طور پر سمجھا نہیں جا رہا ہم کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس تنقید کیے چلے جاتے ہیں، ماضی کو چھوڑ کر ہمیں مستقبل کا فیصلہ کرنا ہے یہ بات ہمارے ذہنوں میں بہت کم آتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے کیا تھا اس کا خیال چھوڑ کر آئندہ کیا ہونا چاہئے یہ سوچنا ہمارا فرض ہے کسی مریض ذہنیت کے انسان پر غصہ کرنا یا اس کے چڑچڑے پن پر ناک بھوں چڑھانا اسی طرح بیجا اور غلط ہے جیسے کسی جسمانی مرض میں مبتلا انسان پر غصہ کرنا یا اُس سے نفرت کرنا خود بیماری سے بچنے کی کوشش کرنا الگ چیز ہے جس طرح انسان پیدا ہوتے تندرستی کا سکھ اٹھاتے بیمار پڑتے اور مر جاتے ہیں اسی طرح قومیں بھی تندرستی کا سکھ اُٹھاتی' بیمار پڑتی اور مرتی ہیں جو حالت جسمانی بیماریوں کی ہے وہی اخلاقی بیماریوں کی بھی ہے ہمارا ملک اس وقت تعصب کے خطرناک مرض میں گھر گیا ہے اور یہ وبا اس بُری طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے کہ دل سے صاف دل انسان اس اخلاقی مرض سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکا تعصب کے جراثیم نے ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب پر قبضہ جما لیا سکھ کسی کو بھی نہیں ہر ایک دکھ اور نفرت آگ میں جل رہا ہے اور اپنی برائی کا بوجھ دوسرے کے سر پر تھوپ رہا ہے یہ صورت حال ترقی کی نہیں کہی جا سکتی ہمارے اخلاقی سرمائے کا شیرازہ بکھر کر رسوائی کی حد تک پہنچ گیا دوسرے آزاد ممالک ہماری اس تباہ حالی متعصب ذہنیت اور تنگ نظری کو دیکھ کر ہنس بھی رہے ہیں اور متاسف بھی لیکن ہم خود کو اوروں کی نظروں میں گرا ہوا محسوس نہیں کر رہے ۔

ایک زبان کے مسئلے کو ہی لیجئے کچھ ہی دن ہوئے اس پر اسمبلی میں گرما گرم مباحثے ہوئے اور خوب ایک نے دوسرے کی پگڑی اُچھالی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا یعنی اکثریت کی جیت اور اقلیت کی ہار لیکن یہ جیت اکثریت کی نہیں اسی تعصب کی ہے جو ہمارے ملک کی جڑ میں لگا ہوا دیمک کے مانند اُن کو کھوکھلا کر رہا ہے آپس کے ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں اور بیجا نفاق نے ملک کو تقسیم کرا دیا مگر پھر بھی ہمیں عبرت نہ ہوئی اور ہم پھر لڑنے جھگڑنے لگے ان جھگڑوں کا بیج اس وقت پڑا جب کہ پچھلی صدی کا آخر اور موجودہ صدی کا شروع تھا سب سے زیادہ خوفناک صورت اس رجحان نے اس وقت اختیار کی جب کہ چند تنگ دل مگر ناعاقبت اندیش محبان وطن نے ہندی کے نام سے ایک ایسی زبان بنانے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شش کی جو ابھی تک ہندوستان کے کسی ضلع یا حصے کی عام بول چال کی زبان نہیں ہے
وراس تفریق نے عوام کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکا دی جس وقت سے ان لوگوں نے
ن کے ہاتھ میں ملک و قوم کی باگ ڈور ہے اپنا رجحان اس طرف ظاہر کیا ہے اس وقت
سے تو صورت حالات بہت نازک ہوگئی ہے اس زبان کے قضیے نے حالات کے بگاڑنے
در ملک کے تقسیم کرانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اور اگر آج یہ کہا جاتا ہے" کہ
ماحب لیجئے دیکھئے بھلا ایسے ملک میں پھولنے پھلنے کے کیا ذرائع ہیں جہاں زبان بھی
دنو فرقوں کی علیحدہ کر دی گئی تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہندی اردو کو الگ
رکے گویا دو قوموں کا وجود الگ تسلیم کر لیا گیا جو کانگریس کی پالیسی کے بالکل خلاف ہے۔

اردو جو عرب یا ایران و کابل سے ٹٹو پر لد کر نہیں آئی بلکہ ہندو مسلمانوں کے باہمی
یل جول، رابطہ و محبت کی سب سے بڑی یادگار ہے جس کی ایک ماں سنسکرت بھی ہے
س کو اس کے ملک سے کان پکڑ کر نکالا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ یہ ہماری مشترکہ سماجی
ندگی کے مشترکہ کلچر کا سب سے بڑا ستون ہے اس ملک کے رہنے والے مذہبی اختلاف
کے علاوہ اپنے اور تمام معاملات میں اک عام مشترکہ سماجی زندگی رکھتے تھے، یہی مشترکہ زبان
بازاروں میں، میلوں میں، کھیلوں کچہریوں میں، تعلیم میں، صنعت و حرفت میں، علم و فن میں،
باس میں، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں اک قوم کے نظریے کو واضح کرتی تھی اب
یا چیز ہے جو ہمیں مشترک رکھ سکتی ہے ہمارے مذہب الگ، ہمارا کلچر جدا، ہماری زبان
لگ یہ ملک جو اک زبان ہونے کے باعث عہد مغلیہ سے لے کر اس وقت تک اپنے
در اک شان اور خوبصورتی کے ساتھ اک مشترکہ سماجی زندگی رکھتا تھا وہ دراندازوں نے
بان کی تقسیم کے بعد ختم کر دی، میں یہ تو نہیں کہتی کہ زندگی اور ادب کا مجھے ایسا خاص تجربہ حاصل
ہے جس کی بنا پر کوئی حکم لگا سکوں ملک میں بہت سے بزرگ ایسے ہیں جو زبان کے
سئلہ پر مجھ سے بہتر طریقہ پر روشنی ڈال سکتے ہیں لیکن کچھ تجربہ گرد و پیش کے حالات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاضوں کا مجھے ضرور ہے میں نے ہندی کے ادیبوں اور شاعروں میں سے چند کو قریب سے دیکھا ہے ہندی ناولوں اور افسانوں کے ترجمے پڑھے ہیں ہندی کی کوتائیں سنی ہیں یہی نہیں بلکہ مجھے ہندی ادب سے محبت ہے ہندی کے گیتوں کا لوچ اور نسائی محبت سے بھرپور ترنم مجھے بہت پسند ہے ہندی کے مدھم اور ہلکے ہلکے بولوں کو میں اکثر اپنی کہانیوں میں جگہ دیتی ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ اک شاندار قوم محض زبان کے مسئلے پر الجھ کر رہ جائے اس طرح ہمارا مستقبل کبھی سدھر نہ سکے گا میں ہندوستان کے تمام فرزندوں کو ایک قوم کی حیثیت میں دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ زبان کی تفریق ختم کر دی جائے جو لوگ اُردو کے خلاف ہیں وہ ہماری قومی وحدانیت پر ایسی کاری ضرب لگانا چاہتے ہیں جس سے پھر کبھی پنپنا مشکل ہو گا یہ مرا کہنا تعلّی نہیں حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے اردو کے بجائے ہندی کرنے میں آج کل زمین و آسمان ایک کر دیئے ہیں وہ حالات کے رخ کو نہیں پہچانتے اپنی ان الٹی سیدھی لن ترانیوں سے انھوں نے ملک کو سخت نقصان پہنچانے پر کمر باندھ لی ہے اردو جیسی قوتِ آخذہ ہندی میں کیسے اور کہاں سے آ جائے گی اور کس جادو کی چھڑی سے ہندی کے دامن کو بھی ان خزانوں سے بھر دیا جائیگا جن سے اُردو کا دامن مالامال ہے۔

کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں مگر یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اردو کی برابری ہندی ادب کبھی بھی نہ کر سکے گا یہ بات دوسری ہے کہ اردو شعراء کے تمام پاکیزہ خیالوں کو اور بلند تصورات کو ہندی کا جامہ پہنا کر پیش کیا جائے مقابلے کا سوال نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار کرنا ہے اقبال اور جوش کو چھوڑ کر اردو زبان کے نئے دور نے جو شاعر پیدا کیئے جن کی آتشیں نظموں سے انقلاب کا طوفان اُٹھ رہا ہے ان کا مقابلہ بھی ہندی شاعری ابھی نہیں کر سکتی۔

یہ میں مانتی ہوں کہ موجودہ دور کی ہندی شاعری میں تلاش، تجربہ، تصادم، بغاوت، بندش، مصیبت وہ تمام جذبات پائے جاتے ہیں جو آج کل ملک کے ہر انسان کے دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مگر وہ طاقت اور جوش اس میں نہیں جو آج کل کی اُردو شاعری کی ایک خصوصیت ہے۔

ہر عہد کا شاعر و ادیب اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے اس دور کے اُردو کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنی نظم و نثر سے ہندوستانی قوم کو موت سے دست و گریباں ہونے کی تعلیم دے کر ان کی نزاکت اور نڈھال زندگی کو جو طاقت بخشی وہ سیاست والوں کے بس کی بات نہ تھی۔

ہندوستانی ذہنیت کے تبدیل کرنے میں اردو کے مشہور شعرا نے جو خدمات انجام دی ہیں اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ان شعراء نے آزادی کی راہ میں اس طرح قدم بڑھایا جس طرح ہمارے قومی رہنماؤں نے۔ چند شعرا کے اشعار پیش کرتی ہوں۔ اقبالؔ نے نعرہ لگایا۔

اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو　　کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ　　جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی　　اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

جوشؔ نے حکم دیا۔

کلاہِ خواجگیٔ کائنات کج کر کے　　نیا زمانہ نیا روزگار پیدا کر

فراقؔ نے پیغام دیا:-

اٹھ پڑے ہو تو اہلِ ہند　　بڑھتے ہی چلو صبح و شام

بڑھتے ہی رہنا کام ہے　　نام قیام کا نہ لو

کھوٹی نہ ہو رہِ حیات　　تم ہو مسافرِ دوام

تم سے یہی پیام ہے

دراصل اُردو زبان نے انھی اجزا کو قبول کیا جو اس کی زندگی کے لئے ضروری تھے جو لوگ سنسکرتی عناصر کی زبان میں بھرمار چاہتے ہیں اس سے کوئی زندہ زبان نہیں پیدا ہو سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ جس زبان کو رائج کیا جا رہا ہے اس میں ہرگز وہ وسعت نہیں پیدا کی جا سکتی جو اک زندہ اور کارآمد زبان کے لئے بے حد ضروری ہے ہندی کے لئے سنسکرت کو سرچشمہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے خود سنسکرت ہزار ہا سال سے مردہ زبان چلی آ رہی ہے اس دور میں انسانی سماج نے جو کچھ ترقی کی ہے اور زبانوں میں جن ذخیروں کا اضافہ ہوا ہے ان سے سنسکرت یکسر محروم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی زبان کو سرچشمہ بنا کر جس کی ناداری کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کیونکر کوئی اچھی قابل قبول زبان بنائی جا سکے گی پہلے ہندی اس معیار تک تو پہنچے جو دور حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ہو اس کے بعد پھر کہیں اس کی تعمیر سنسکرت کے ستونوں پر قائم کی جا سکتی ہے۔

اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی تصورات کو کتنے ہندی شعرا نے اپنے کلام میں جگہ دی اور کن ہندی شعرا کا کلام حکومت برطانیہ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ضبط کیا یہ فخر بھی اردو ادبا و شعرا کو حاصل ہے اک جانب انھوں نے عوام کو آزادی کا راستہ دکھایا دوسری جانب خود قید و شدائد کے مصائب بھگتے۔

یہ شعر اردو کے ایک شاعر ہی نے کہا تھا۔

مشق سخن بھی جاری ہے چکی کی مشقت بھی
طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

آج آزاد ہندوستان اپنے ان بہادروں پر ناز کرتا ہے اردو ادب کی ہر دلعزیزی شہروں اور پڑھے لکھے لوگوں تک ہی نہیں کسانوں، مزدوروں تک ہے۔ انقلاب اور وطن پرستی کے پیغام دیہاتوں تک پہونچانے کا سہرا بھی اردو کے سر پر ہی ہے۔ سید مطلبی فریدآبادی کی وہ نظم جس کا عنوان "کسان" ہے اس کے دیباچے میں ڈاکٹر عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"پوری کتاب خالص دیہاتی زبان میں ہے نئی ہندی کے جو حامی یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ زبان اسی لیے ہم نے اختیار کی ہے کہ ہماری آواز دیہاتوں تک پہنچے اسے پڑھے اور دیکھئے ان کی زبان نہ دیہاتیوں کی ہے نہ شہریوں کی۔ مطلبی کی شاعری ایسی دیہاتی زبان میں ہے جسے گاؤں والے سمجھ سکتے ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھئے دیہاتی زبان میں پنگھٹ کی پنہیاری کی تصویر یہ شاعر نے اپنی نظم میں کتنی اچھی کھینچی ہے۔

پنگھٹ کی پنہاری چالی باندھے سیلی ساری جالی
سر پہ کلسہ کلسے پہ گاگر ہاتھ میں نیجو مونجھ کی بابر
گھونگٹ میں مکھڑا یوں دمکے بادل میں جوں چندا چمکے
مرگ سی نینوں میں ڈوری کالی ہونٹوں پہ ناگر بان سی لالی
ناگوری ناکالی ابلا کبوری تیلی بالی ابلا
تیلی کمر لچکاتی جاوے کمر تلک ناگنی لہراتی جاوے
کہیں کہیں ٹھوکر بھی کھائی لپک جھپک پنگھٹ پر آئی

اس بولی ہی کو جنتا کی بولی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ شہروں کی زبان نہیں یہ متمدن شاعری اور علمی تحریروں کی زبان نہیں بن سکتی سخت فارسی آمیز یا سنسکرت ملی ہوئی بولی اگر دیہاتوں میں بولی جائے تو وہاں کے رہنے والے دونو کے سمجھنے سے محروم رہیں گے لیکن اردو کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ داغ کی غزلیں کبھی کبھی چوپالوں میں بھی گائی جاتی ہیں گانوں کی بہو بیٹیاں شادی بیاہ برسات میں ہر خوشی کے موقعہ پر اُردو کے گیت گاتی ہیں تانگے والے سرراہ چلنے لڑکے کی زبان پر اُردو شعرا کا کلام ہوتا ہے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بات کا تبنگڑ بنا کر یہ اردو ہندی کا قصہ ہی کیوں کھڑا کر دیا گیا دو سگی ماجائی بہنوں میں لوگوں نے جوڑ توڑ لگا کر زمین و آسمان کا فرق کر دیا تھوڑا سا جو باہمی اختلاف تھا اس کو تو آپس کے میل جول سے دور کیا جا سکتا تھا اردو کے وجود میں آنے کے متعلق کیفی صاحب نے اپنی مشہور کتاب کیفیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"محمود غزنوی اور اس کے پہلے اور عین بعد کے تاریخی سوانح سے قطع نظر جو مسلمان فاتح ۱۱۹۱ء میں اور اس کے بعد آئے وہ ہندوستان میں قبیلے اور حسب و نسب کے اعتبار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ جس زبان کو رائج کیا جا رہا ہے اس میں ہرگز وہ وسعت نہیں پیدا کی جا سکتی جو اک زندہ اور کارآمد زبان کے لئے بے حد ضروری ہے ہندی کے لئے سنسکرت کو سرچشمہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے خود سنسکرت ہزارہا سال سے مردہ زبان چلی آرہی ہے اس دور میں انسانی سماج نے جو کچھ ترقی کی ہے اور زبانوں میں جن ذخیرں کا اضافہ ہوا ہے ان سے سنسکرت یکسر محروم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی زبان کو سرچشمہ بنا کر جس کی ناداری کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کیونکر کوئی اچھی قابل قبول زبان بنائی جا سکے گی پہلے ہندی اس معیار تک تو پہنچے جو دور حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ہو اس کے بعد پھر کہیں اس کی تعمیر سنسکرت کے ستونوں پر قایم کی جا سکتی ہے۔

اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی تصورات کو کتنے ہندی شعرا نے اپنے کلام میں جگہ دی اور کن ہندی شعرا کا کلام حکومت برطانیہ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ضبط کیا یہ فخر بھی اردو ادبا و شعرا کو حاصل ہے اک جانب انھوں نے عوام کو آزادی کا راستہ دکھایا دوسری جانب خود قید و شدائد کے مصائب بھگتے۔

یہ شعرا اردو کے ایک شاعر ہی نے کہا تھا۔

طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی — مشق سخن بھی جاری ہے چکی کی مشقت بھی

آج آزاد ہندوستان اپنے ان بہادروں پر ناز کرتا ہے اردو ادب کی ہر دلعزیزی شہروں اور پڑھے لکھے لوگوں تک ہی نہیں کسانوں، مزدوروں تک ہے۔ انقلاب اور دیش پریم کے پیغام دیہاتوں تک پہونچانے کا سہرا بھی اردو کے سر پر ہی ہے۔ سید مطلبی فریدآبادی کی وہ نظم جس کا عنوان "کسان" ہے اس کے دیباچے میں ڈاکٹر عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"پوری کتاب خالص دیہاتی زبان میں ہے نئی ہندی کے جو حامی یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ زبان اس لیے ہم نے اختیار کی ہے کہ ہماری آواز دیہاتوں تک پہنچے سے پڑھے اور دیکھے ان کی زبان نہ دیہاتیوں کی ہے نہ شہریوں کی مطلبی کی شاعری ایسی دیہاتی زبان میں ہے جسے گاؤں والے سمجھ سکتے ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھئے دیہاتی زبان میں پنگھٹ کی پنہیاری کی تصویر یہ شاعر نے اپنی نظم میں کتنی اچھی کھینچی ہے۔

پنگھٹ کی پنہاری جالی — باندھے سیلی ساری جالی
سر پہ کلسہ کلسے پہ گاگر — ہاتھ میں نیجو موتجھ کی بابر
گھونگٹ میں مکھڑا یوں دمکے — بادل میں جوں چندا چمکے
مرگ سی نینوں میں ڈوری کالی — ہونٹوں پہ ناگر پان سی لالی
ناگوری ناکالی ابلا — کبوری تیلی بالی ابلا
تیلی کمر بجکاتی جاوے — کمر تنک ناگنی لہراتی جاوے
کہیں کہیں ٹھوکر بھی کھائی — لپک جھپک پنگھٹ پر آئی

اس بولی ہی کو جنتا کی بولی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ شہروں کی زبان نہیں یہ متمدن شاعری اور علمی تحریروں کی زبان نہیں بن سکتی سخت فارسی آمیز یا سنسکرت ملی ہوئی بولی اگر دیہاتوں میں بولی جائے تو وہاں کے رہنے والے دونو کے سمجھنے سے محروم رہیں گے لیکن اردو کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ داغ کی غزلیں کبھی کبھی چوپالوں میں بھی گائی جاتی ہیں گاؤں کی بہو بیٹیاں شادی بیاہ برسات میں ہر خوشی کے موقعہ پر اُردو کے گیت گاتی ہیں، ہر تانگے والے ہر راہ چلتے لڑکے کی زبان پر اُردو شعرا کا کلام ہوتا ہے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بات کا بتنگڑ بنا کر یہ اردو ہندی کا قصہ ہی کیوں کھڑا کر دیا گیا دو سگی ماجائی بہنوں میں لوگوں نے جوڑ توڑ لگا کر زمین و آسمان کا فرق کر دیا تھوڑا سا جو باہمی اختلاف تھا اس کو تو آپس کے میل جول سے دور کیا جا سکتا تھا اردو کے وجود میں آنے کے متعلق کیفی صاحب نے اپنی مشہور کتاب کیفیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"محمود غزنوی اور اس کے پہلے اور عین بعد کے تاریخی سوانح سے قطع نظر جو مسلمان فاتح ۱۱۹۱ء میں اور اس کے بعد آئے وہ ہندوستان میں قبیلے اور حسب و نسب کے اعتبار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آرین تھے یا زیادہ محتاط رہ کر کہئے وہ ایران کی شائستگی اور تمدن و معاشرت کے رنگ میں رنگے تھے اور ایرانی اسی تنے کی ایک شاخ تھے جس کی دوسری شاخ ہندی آرین تھے اسی کلچر کی یگانگی نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فاتح اور مفتوح کی مغائرت کو محو کر دیا جب دو مختلف قوموں کو ایک ملک میں رہنا ہوا تو وہ معاشرتی اور لسانیاتی لین دین کے بغیر ناممکن تھا اور اس لین دین میں اور اسی یگانگی اور یکجہتی میں جو ہندو مسلمان کی روزمرہ زندگی اور سب سے زیادہ اردو کی پیدائش میں کارفرما ہوئی کس نے زیادہ فراخ دلی سے کام لیا اس تفصیل پر جانے کی ضرورت نہیں اس کا تاریخی نظر سے شاندار نتیجہ آپ کے سامنے اردو موجود ہے اردو کی پیدائش کے ذمہ دار ہندو مسلمان دونوں ہیں اردو کی تدوین اور تنظیم دہلی میں ہوئی اور یہیں اس کو ادبی حیثیت ملی اردو کو ہندو مسلمان دونوں سمجھتے ہیں اردو کا پہلا شاعر امیر خسرو اور پہلا ناشر حضرت گیسو دراز ہیں اردو کی سب سے پرانی غزل جو ملتی ہے وہ ایک ہندو شاعر تخلص برہمن کی ہے۔ کیفی صاحب کے فرمانے کے مطابق اردو کی ہمہ گیری سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بنانے میں ہندو مسلمان دونوں کے بہترین دماغوں نے حصہ لیا ہے جن بزرگوں کی کوشش سے یہ بنی اور پروان چڑھی ہے انھوں نے کچھ اس اٹھان پر اس کو اٹھایا ہے کہ ہر زبان کے لفظ اس میں آکر اس طرح رچ جاتے ہیں گویا اس کے لئے ہی بنے تھے سماج اور سامراج دونوں سنسکرت کے لفظ ہیں لیکن اردو دنیا نے ان کو ایسا اپنایا ہے کہ اب یہ ہمارے لئے بیگانے نہیں رہے اس ملک کے رہنے والوں پر تقریباً ایک ہزار سال تک اجنبی کا غلبہ تھا اس غلبے کی تاریخ افغانوں سے لے کر انگریزوں پر ختم ہوتی ہے ہندوستان میں مغل حکومت کی تباہی کے بعد اک نیا عہد غلامی شروع ہوا جس میں ہندو مسلمان دونوں کے غلام تھے۔ ایک پنجرے میں دو چڑیاں تھیں جنھوں نے اپنے مشترک کلچر مشترک زبان اک نیا پریم کا شوالہ سجایا تھا۔ خیالات دونوں کے ایک۔ اٹھنے بیٹھنے کے طریقے ایک زبان ایک اور آزادی کی راہ میں جب یہ دونوں ایک ہو کر اٹھے تو ایوانِ سیاستِ برطانیہ کے ستونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلاڈلا اگر ایک جانب تلک، گوکھلے، موتی لال، گاندھی جی، جواہر لال، سبھاش چندر بوس تھے تو دوسری جانب علی برادران، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، نصدق احمد خاں شیروانی تھے ان دونوں فرقوں کے خیالات کو لفظی جامہ پہنانے والی زبان اُردو تھی ہمارے اس عہد کے کارناموں کی امانت دار اردو ہی ہے ایک نیا ڈھانچہ بن رہا تھا جس میں محبت اور خلوص کی بنیاد تھی اور اشتراک عمل کا ساز و سامان لیکن ہندوں کو یہ کچھ اچھا نہ معلوم ہوا اور انھوں نے جوڑ توڑ کرکے اس میں تعصب کا گھن لگا دیا اور جو ڈھانچہ ہمارے قومی راہ نماؤں اور اس ملک کے بہترین دماغوں نے سالہا سال کی محنت کے بعد مل جل کر تیار کیا تھا جس کی بنیادوں میں سیکڑوں جانبازوں نے اپنا مقدس خون دیا تھا اور جس عمارت کے تیار کرنے کے لئے ہمارے لیڈروں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ جیلوں میں گذارا تھا اس کی آخری اینٹ اب افسوس ہے زبان الگ کرکے نکال دی گئی۔

لیبا پوتی دوسری چیز ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اب پنپنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ملک کی تقسیم کے بعد دراندازوں نے زبان کی تقسیم بھی کر دی۔

سالنس دیکھا تن بسمل میں جو آتے جاتے اور جو کا دیا جلاد نے جاتے جاتے

ہمارے ملکی بھائی ان دنوں کس درجے متعصب ہو گئے ہیں اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے اتحاد و یگانگت کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب ایک دل ہوں اور اردو اس اتحاد کی نیو ہے جن لوگوں نے اس زبان کو ختم کرنے کی نیت باندھ لی ہے انھوں نے ہماری قومی طاقت کو ختم کرنے کی بھی ٹھان لی ہے یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ ۶ ہزار سال پہلے کے کلچر کو اس بیسویں صدی میں رائج کیا جائے اور انسانوں کو رشی منی بنا دیا جائے اس فلسفے کی بلندی سے تو انکار نہیں مگر اس کا تجربہ کرنا بہت نقصان دہ ہوگا اس کلچر اور اس زبان کے زمانے میں ملک جس طرح آپس کے نفاق کی بدولت غلام رہا ہے اور فاتح آتے رہے ہیں اس سے ہم میں سے کوئی بھی ناواقف نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلچر، زبانیں، فنون، غیرہ کے ذریعہ سیاسی اور معاشرتی وحدت کہاں تلاش کی جائے جو ہندوستانیوں کی ذہنی پستی دور کرنے کا کارگر نسخہ ہو سکتی ہے۔

ہندی دنیا کا یہ اعتراض کہ اردو شعرا اپنے کلام میں ہندوستان کی روایات کا خیال بالکل نہیں کرتے بالکل بیجا ہے نظیر اکبر آبادی سے لے کر موجودہ دور کے شعرا کے کلام تک ہندی ساز و سامان کی اُردو شاعری میں کمی نہیں ہے جوش جن کے کلام میں موجودہ دور کے تمام شعرا سے زیادہ فارسیت ہوتی ہے ان کے یہاں بھی آفاقیت کافی پائی جاتی ہے۔

"پیمان محکم" میں جوش صاحب کہتے ہیں۔

قسم اس عزم کی ساونت جب میدانیں آتے ہیں
دمِ رخصت عروسِ نو کا جب گھونگٹ اُٹھاتے ہیں

قسم اُن قوتوں کی جو ملی تھیں رام و لچھمن کو
قسم اس آگ کی جو کھا گئی تھی ملکِ راون کو

قسم اس نور کی ردشن تھی جادے جس سے صحرا کے
جھلکتا تھا جو ٹیکے کی طرح ماتھے سے سیتا کے

قسم اُس تیر کی چلتا تھا جو چٹکی سے ارجن کی
قسم میدان میں گاتی ہوئی تلوار کی دھن کی

قسم اس جوش کی جو ڈوبتی نبضیں اُبھاریگا
کہ اے ہندوستاں جیسے ہی تو مجھ کو پکاریگا

مری تیغِ رواں باطل کے سر پر جگمگائے گی
ترے ہونٹوں کی جنبش ختم بھی ہونے نہ پائیگی

اُردو شعر و ادب نے ہندوستانی سماج کے بنانے میں وہی حصہ لیا جو کسی ترقی کرنے والے ملک کا ادب لیا کرتا ہے اس زبان کو جس میں میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کا کلام ہے اور جس کے سر پر ابھی حسرتؔ، جگرؔ، جوشؔ اور فراقؔ موجود ہیں کون ختم کر سکتا ہے اردو زندہ ہے اور زندہ رہے گی وہ حکومت کی زبان نہیں عوام کی زبان ہے اس لئے اُردو دُنیا کو مایوس ہونے کے بجائے زیادہ ہمت اور جوش سے اس کے لئے کام کرنا چاہئے اب میں دو اور اردو کے بہی خواہ ہندو بزرگوں کے خیال اُردو کے متعلق پیش کرتی ہوں اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بھی جب ہر طرف بغض و حسد کی آندھیاں چل رہی ہیں، نفاق کے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ کچھ ایسے ایماندار لوگ بھی ہیں جو صلح و آشتی کی شمع جلاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اس راستے پر گامزن ہیں جو حق و انصاف کا ہے مجھے امید ہے ان چند برگزیدہ ہستیوں کے دم سے اُردو زبان کی ناؤ ان مخالف ہواؤں کے تھپیڑوں کے باوجود ٹھیک راستے پر چلتی رہے گی ان دونو بزرگوں میں سے پہلے صاحب ہیں ڈاکٹر تاراچند اور دوسرے ہیں پنڈت کشن پرشاد کول:

ڈاکٹر تاراچند صاحب اپنے ایک مقالے میں جو اردو ہندی کے عنوان سے ایشیا مئی ۱۹۴۲ء میں چھپا تھا فرمایا تھا۔

"لوگ اُردو کے متعلق کچھ کہتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوانی زبان کا شاید ہی کوئی رُخ اور پہلو ایسا ہو جسے اُردو زبان میں پیش نہ کیا گیا ہو اُردو میں اپنشدوں کے ترجمے موجود ہیں بھاگوت گیتا کا ترجمہ ہو چکا ہے سمرتیوں، مہابھارت، رامائن اور بہت سے پرانوں کے ترجمے اردو میں مل سکتے ہیں ہندو مذہبیات اور فلسفۂ مذہب پر اُردو میں بڑی بڑی تصانیف موجود ہیں جن میں ہندو دیومالا ہندوؤں کی عبادتوں اور جاتراؤں وغیرہ سے بحث کی گئی ہے ان کے علاوہ ہندو آرٹ خصوصاً موسیقی پر کثرت سے اُردو کتابیں موجود ہیں سنسکرت کے بہت سے ڈرامے، کہانیاں اور نظمیں اردو ادب میں جگہ پا چکی ہیں ہندوؤں کے علوم ریاضی، کیمیا وغیرہ کے تذکرے اردو کتابوں میں ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ اُنیسویں صدی کے آخر تک بہت سے ہندو اردو کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے تھے اور شمالی ہند کے بہتیرے پڑھے لکھے ہندو نہ صرف معلومات بڑھانے کے بلکہ ذوق سلیم کے تقاضے سے اردو کتابیں پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں ہندو بے جا تعصب کی بدولت ہندو رفتہ رفتہ اردو کا دامن چھوڑ رہے ہیں اردو نے ہندوؤں کی خدمت کی اور ان کی ضروریات پوری کیں ساتھ ہی ساتھ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی ضروریات کو زیادہ تر پورا کیا جہاں تک تخلیقی ادب کا تعلق ہے اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونو پر فخر ہے بے شمار ہندو اہلِ قلم نے شاہجہاں کے زمانے سے لے کر اب تک اردو کو اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کا ذریعہ

© rasailojaraid.com